۵۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لا یأمن جارہ بوائقہ، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار

۶۔ بخاری، الادب المفرد، ۱/ ۲۲، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار

۷۔ ابن کثیر، ابوالفداء عمادالدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر، ۱۳۵۶ھ، ۴/ ۳۴۹، لسان العرب، ۴/ ۵۴، مادہ 'بر'

۸۔ راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، المطبعۃ المیمنیۃ مصر، ۱۳۲۴ھ، ص ۹۳

۹۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ المالکی الاشبیلی، احکام القرآن، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۳۱ھ، ۲/ ۲۴۹، الماوردی، ابوالحسن علی بن حبیب البصری، النکت والعیون (تفسیر الماوردی)، مطابع المقھوی الکویت، ۱۴۰۲ھ، ۴/ ۲۲۳، تفسیر قرطبی، ۱۸/ ۵۹، رازی، فخرالدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) المطبعۃ العامرۃ مصر، ۱۳۰۸ھ، ۸/ ۱۳۴

۱۰۔ تفسیر قرطبی، ۱۸/ ۵۹

۱۱۔ حوالہ سابق

۱۲۔ تفسیر کبیر، ۸/ ۱۳۴

۱۳۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (تفسیر الطبری)، دارالمعارف مصر ۱۹۶۹ئ، ۵/ ۵۸۸، تفسیر کبیر، ۲/ ۳۶۵

۱۴۔ بخاری، الادب المفرد، باب کیف الرد علی أھل الذمۃ، ۲/ ۳۵۳

۱۵۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم فی مجلس فیہ أخلاط من المسلمین و المشرکین، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... الخ

۱۶۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ بیروت، ۱۱/ ۴۱

۱۷۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب أھل الکتاب، باب السلام علی أھل الکتاب

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنسیئۃ و دیگر ابواب، صحیح مسلم،

کتاب المساقاۃ، باب الرھن و جوازہ فی الحضر کالسفر
۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب الشراء و البیع مع المشرکین وأھل الحرب، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب اکرام الضیف
۲۰۔ صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، باب المزارعۃ مع الیھود و دیگر ابواب، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب المساقاۃ والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع
۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب استئجار المشرکین عند الضرورۃ
۲۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب ھل یواجر الرجل نفسہ من مشرک فی دار الحرب
۲۳۔ نووی، شرح صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الرھن
۲۴۔ تفسیر قرطبی
۲۵۔ تفسیر کبیر
۲۶۔ المفردات فی غریب القرآن، ۵۵۵
۲۷۔ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، مصطفی البابی الحلبی و اولادہ مصر، ۱۹۷۳ئ، ۱/۶۱۹
۲۸۔ تفسیر طبری، ۷/۱۳۸، کشاف، ۱/۴۵۸، تفسیر قرطبی، ۴/۱۷۸
۲۹۔ تفسیر قرطبی، ۸/ ۹۴
۳۰۔ رگ وید، ۶:۱: ۸-۱۳
۳۱۔ یجر وید، ۹:۳۷
۳۲۔ اتھر وید، ۴:۳۲: ۱-۳
۳۳۔ ابن قدامۃ، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی، المغنی علی مختصر الخرقی، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ریاض، ۱۹۸۱ئ، ۸/ ۳۵۲

☆☆☆

حکومت کے ذرائعِ آمدنی اوران کی تحصیل کے بنیادی اصول
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

ڈاکٹر سعدیہ گلزار

اسلام خالقِ کائنات کی طرف سے انسان کے لیے ایک پیغامِ ہدایت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ وہ معاشیات کے میدان میں بھی صحیح سمت کا تعین کرتا ہے، تاکہ معاشی سرگرمیوں میں توازن رہے اور معاشرتی ناہمواریاں جنم نہ لے سکیں۔ عرب کی معیشت سود پر مبنی تھی اور مالی نظام میں بھی اخلاقی خرابیاں رائج تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناجائز رسوم کو ختم کر دیا اور ان کے مقابلے میں اسلامی معاشی نظام قائم کیا۔ اسلام سے قبل عرب سے متصل روم (عیسائی مذہب کے پیروکار) اور ایران (مجوسی مذہب کے پیروکار) دو بڑی حکومتیں تھیں۔ ان کے حکمراں عیش وعشرت کا شکار تھے۔ تعیش پر مبنی زندگی گزارنے کے لیے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے تھے۔ اس صورت حال میں امراء اور غرباء کی تفریق پیدا ہونا فطری امر تھا۔ عوام سربراہانِ حکومت سے نالاں تھے۔ حکومتیں اخلاقی انحطاط کا بھی شکار تھیں۔ فحاشی اور بے حیائی اس معاشرے میں عام تھی۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں عراق، مصر، شام اور ایران کی فتح کے بعد ظالمانہ اور جبر واستبداد پر مبنی محاصل کو ختم کرکے اسلامی اصولوں پر مبنی محاصل وصول کیے گئے، جن کی وجہ سے عوام کو چین کی زندگی نصیب ہوئی۔

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی میں زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ، مال فے، خمس، کراء الارض، عطیات واوقاف، اموال فاضلہ اور ضرائب (ہنگامی ٹیکس) شامل ہیں۔ عصر حاضر میں اسلامی حکومتیں زیادہ تر زکوۃ وعشر اور دیگر ٹیکس وصول کرتی ہیں۔ اسلامی ذرائعِ آمدنی پر اب

بھی عمل ہوسکتا ہے۔ اگر جنگی حالات ہوں اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتو مال غنیمت سرکاری خزانے میں جمع کروایا جائے گا، اسی طرح غیر مسلم شہریوں پر اُن کی جان و مال کی حفاظت کے عوض جزیہ عائد کیا جاسکتا ہے۔ زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ، خمس، مال فے، عشور اور لگان کے علاوہ حکومت کو اختیار ہے کہ وہ بہ وقتِ ضرورت ٹیکس عائد کرسکتی ہے۔ تاہم ضروری ہے کہ یہ محاصل ضرورت کے مطابق لیے جائیں، کیوں کہ اسلام میں عوام پر غیر ضروری مالی بوجھ ڈالنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ذیل میں اسلامی ریاست کی جانب سے محاصل کی تحصیل کے بنیادی اصولوں کا تفصیلی جائزہ لیا جارہا ہے:

۱۔ عقیدہ ونظریہ

حکومت کا اہم ذریعۂ آمدنی زکوٰۃ ہے۔ اسلامی ریاست کا مسلمان شہری زکوۃ محض اپنا مذہبی فریضہ اور عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ ٹیکس کو قانونی یا نظری بنیاد پر لازمی قرار دیا جاتا ہے، لیکن زکوۃ کی حیثیت دینی فریضہ کی ہے۔ یہی زکوۃ اور ٹیکس کے درمیان بنیادی فرق ہے۔ زکوۃ نہ صرف اسلامی نظام مالیات کا اہم ستون ہے، بلکہ اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ قرآن مجید میں فرضیت زکوۃ کے احکام کا تیس (۳۰) مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے ستائیس (۲۷) مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسلامی مملکت کے حکم راں کے فرائض میں زکوٰۃ کی جمع و تقسیم بھی شامل ہے۔ (الحج:۴۱) چنانچہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو انھوں نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور فرمایا:

واللّٰہ لأقاتلنّ من فرّق بین الصّلاۃ والزکاۃ، فان الزّکاۃ حق المال، واللّٰہ لو منعوني عناقاً کانوا یؤدّونھا الی رسول اللّٰہ ﷺ لاقاتلنّھم	اللہ کی قسم، میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا۔ کیوں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم، اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ روکے رکھیں گے جو رسول اللہ ﷺ

علی منعھا۔ قال عمر رضی اللہ عنہ: فو اللّٰہ ماھو الا أن شرح اللّٰہ صدر أبی بکر رضی اللہ عنہ، فعرفت انہ الحق ا۔

کے دور میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے اُس کے روکنے کی وجہ سے جہاد کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی سچ ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی علیہ الرحمۃ لازمی بنیادوں پر زکوۃ کی ادائیگی کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''بے شک زکوۃ بہ یک وقت مالی حق بھی ہے اور عبادت بھی۔ زکوٰۃ مالی حق ہے، جو ریاست وصول کرتی ہے۔ اگر دہندگان اسے رضامندی سے نہ دیں تو ریاست جبراً لے سکتی ہے۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی معاشرے کے مصالح پر صرف ہوتی ہے۔ اس سے قبل زکوٰۃ عبادت ہے۔ وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اس کی ادائیگی تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ بندہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ جان لیتا ہے کہ وہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ادا کر رہا ہے اور ایمان کے ایک حصہ کو انجام دے رہا ہے۔ اس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس سے کسی بندے کی مدد کرتا ہے۔ اس بنا پر زکوٰۃ کی ادائیگی اطاعت اور صلاح (نیکی) ہے، اس کا نہ دینا صریح فسق ہے اور اس کا انکار کھلا ہوا کفر ہے۔ پس یہ اللہ کا حق ہے جو زکوٰۃ دہندہ کی تاخیر، حکومت کے تساہل اور مدت کے گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔'' ۲۔

زکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ عشر کی ادائیگی بھی لازمی قرار دی گئی ہے۔ زمینی پیداوار کا عشر زکوٰۃ کی ایک قسم ہے۔ فقہاء کرام نے اس فریضہ کی بنیاد اس آیت قرآنی پر رکھی ہے:

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُم مِّنَ الأَرْضِ (البقرۃ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمھارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔

زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی لازم ہے۔اسی وجہ سے زکوۃ ادا نہ کرنے والے قبائل کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے جہاد فرمایا، تاکہ اسلامی معاشرے کے افراد زکوۃ کی ادائیگی میں غفلت نہ برتیں اوراس کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیں۔زکوٰۃ اسلامی مالیاتی پالیسی کا ایک اہم حصہ ہے،جس کا استعمال معاشی ترقی اور استحکام کے لیے ناگزیر ہے۔زکوۃ معاشرے کی معاشی صورت حال بہتر بنانے ،دولت گردش میں رکھنے اور غربت ختم کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔نظامِ زکوۃ کے نفاذ سے رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو ،اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے ضرورت مندوں کی کفالت پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ فوز وفلاح

اسلامی تعلیمات کی رُو سے دنیوی اور اُخروی بھلائیوں کا حصول ایک مومن کا مقصدِ حیات ہے۔البتہ اس کی اصل کام یابی اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنانا اور جہنم کی آگ سے بچانا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَفِیْ الاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار (البقرۃ:۲۰۱)

اے ہمارے رب !ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات دے۔

اسلام کے نظام محاصل کی وصولی میں فوز و فلاح کا تصور بھی کارفرما ہے ۔ اسلامی ریاست کا شہری جبراً نہیں، بلکہ اپنی دنیوی واخروی فلاح سمجھ کر مالی واجبات ادا کرتا ہے۔آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائیوں اور ترقیوں کا حصول انفرادی اور اجتماعی حق بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔ اسلام معاشی فلاح و بہبود کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ تمام تر معاشی ترقی اخلاق فاضلہ کی اعلیٰ بنیاد پر ہو، کیوں کہ ایمان کے بعد دین کا اہم ترین مطالبہ تزکیہ ہے۔گویا اسلام ایسی معاشی فلاح و بہبود پر زور دیتا ہے جس میں افراد روحانی اور ذہنی طور پر مطمئن ہوں۔تزکیۂ نفس کا ایک اہم ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی بھی ہے۔ مال کی ادائیگی سے انسان کا نفس بخل سے پاک ہو جاتا ہے ۔ اس سے انسانی نفس کی اصلاح اور روحانی فلاح ہوتی ہے،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهٗ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزٰی إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی

(الیل: ۱۸-۲۰)

جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے ۔ کسی کا اُس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو، بلکہ صرف اپنے پروردگار بلند و بالا کی رضا چاہنے کے لیے۔ یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ بھی) عن قریب رضا مند ہو جائے گا۔

زکوۃ کی ادائیگی سے انسان کا نفس اور مال دونوں پاک صاف ہو جاتے ہیں ۔ زکوۃ کی وصولی کی حکمت قرآن مجید میں تزکیہ بیان کی گئی ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبۃ: ۱۰۳)

ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکوۃ) وصول کر لیجیے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں ۔

قرآن مجید اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ جو شخص ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اللہ کے حضور میں آئے گا، اس کے لیے جنت ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ زکوۃ اسلام کا اہم رکن ہے، اس لیے اس کی ادائیگی جنت کے حصول کا ذریعہ اور عدم ادائیگی جہنم میں جانے کا باعث ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِینَ یَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ یُنفِقُونَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِیْمٍ، یَوْمَ یُحْمَی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَـذَا مَا كَنَزْتُمْ لأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ

(التوبۃ: ۳۴-۳۵)

وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے۔ جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی ۔ (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا ۔ پس اپنے خزانہ کا مزہ چکھو۔

زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”جن مویشیوں کی زکوٰۃ دنیا میں ادا نہ کی گئی ہوگی، وہ قیامت کے دن خوب موٹے تازے اچھے بن کر آئیں گے اور اپنے مالک کو پاؤں سے روندیں گے۔ ۳؎ آپؐ

نے زکوۃ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے عذاب جہنم کے بارے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کو مال دے اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرے، وہ مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا۔ اس کی آنکھوں پر دو کالے ٹیکے (داغ) ہوں گے۔ وہ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: ''میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں''۔ ۴؎ اسی طرح آپؐ نے زکوٰۃ کی ادائیگی پر جنت کی خوش خبری دی ہے۔ ایک شخص نے آپؐ سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا کام بتایئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے۔ آپؐ نے فرمایا: ''صرف اللہ کی عبادت کرو اور کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو''۔ ۵؎ ایک حدیث میں ہے کہ ''اگر انسان حسنِ نیت سے ایک کھجور کا ٹکڑا بھی خیرات کرے تو قیامت کے دن وہ دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنے گا''۔ ۶؎ ''زکوٰۃ وصدقات انسان کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جس طرح پانی آگ کو''۔ ۷؎

زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان آخرت میں سرخرو ہوگا اور خود کو جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔ اخروی فلاح کا حصول ایک مومن کا مقصدِ حیات ہوتا ہے اور وہ اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب وہ احکام الٰہی پر کاربندر ہے اور دیگر فرائض کے علاوہ مالی فرض بھی بجالائے۔

۳۔ حلال وحرام

اسلامی تعلیمات کی رُو سے حرام اشیاء کی تجارت ممنوع ہے۔ چنانچہ اس سے حاصل ہونے والے محاصل بھی جائز نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹)	اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ کسی بھی ناجائز ذریعہ سے دولت کا حصول شریعتِ اسلامی میں ممنوع ہے۔ ۸؎ اس آیت کی روشنی میں دیکھا جائے کہ اگر تمام حرام کاروبار ممنوع ہیں تو ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والے مال سے زکوۃ اللہ

تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص چوری، ڈاکہ زنی سے حاصل کیے گئے مال سے صدقہ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کے ہاں قبول نہیں کیا جاتا۔ حدیث نبوی ﷺ کی رُو سے "چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا"۔۹؎ "اللہ تعالیٰ پاک رزق سے کیا گیا صدقہ ہی قبول کرتا ہے"۔۱۰؎ جب حرام اشیاء سے صدقہ قبول نہیں ہوتا تو ان پر ٹیکس بھی لاگو نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمّال کو شراب پر محصول لے کر بیت المال میں جمع کروانے سے منع فرمایا۔۱۱؎ حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو خبر دی کہ آپ کے عاملین خراج میں خنزیر اور شراب وصول کر رہے ہیں تو انھوں نے حکم جاری کیا کہ ذمیوں سے وہ چیزیں نہ لی جائیں، بلکہ ان کی فروخت کی ذمہ داری خود انہی پر ڈالی جائے اور ان سے صرف نقد قیمت وصول کی جائے۔۱۲؎

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ اگر کوئی ذمی شراب اور خنزیر لے کر عاشر (عشر وصول کرنے والے) کے پاس آئے تو کیا ان اشیاء کا عشر وصول کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا عشر نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ شریعتِ اسلامی میں ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں کا عشر لیا جائے گا، کیوں کہ مالیت میں ذمیوں کے نزدیک یہ دونوں مساوی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ذمی ان دونوں کو اکٹھا لے کر گزرے تو عاشر دونوں کا عشر وصول کرے گا۔ گویا امام ابو یوسفؒ کی رائے میں خنزیر کو شراب کے تابع سمجھا جائے گا۔ اگر ذمی دونوں کو الگ الگ لے کر گزرے تو عاشر شراب کا عشر وصول کرے گا، لیکن خنزیر کا نہیں۔۱۳؎ ظاہر الروایۃ کے مطابق اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے، جب کہ شراب ذوات الامثال ہے۔ (ذوات القیم سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا عین نہ مل سکے، مثلاً اگر غلام کو کوئی شخص قتل کر دے تو اب قیمت دینا ہوگی، کیونکہ اس جیسا غلام دنیا میں دست یاب نہیں ہو سکتا۔ جانور (خنزیر) بھی ذوات القیم ہے، لہٰذا اس کی قیمت اور عشر لینا ذوات القیم میں شمار ہوگا۔ ذوات الامثال وہ ہیں جن کے اموال کی مثال مل سکے، جیسے گندم، کپڑا اور سونا وغیرہ۔

اگر کوئی شخص گندم کو ضائع کر دے تو ویسی ہی گندم مل سکتی ہے۔ شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔) تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شراب اور سور پر عشر وصول نہیں کیا۔ ۱۴؎ امام ابوعبید القاسمؒ خراج (شراب اور سور کی نقد قیمت) اور عشور (شراب اور سور کی قیمت لینے سے اجتناب) کے اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خراج ایسا حق ہے جو ذمیوں کی زمینوں پر واجب ہے، لیکن یہاں عشر (چنگی) خود شراب اور سور پر لگایا جا رہا ہے۔ ۱۵؎ خلفاء راشدین کا خنزیر اور شراب کو بہ طور ٹیکس چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں ان اشیاء کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون (المائدۃ:۹۰)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان (وغیرہ) اور پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم فلاح یاب ہو۔

اور حدیث میں ہے:

انّ اللّٰہ ورسوله حرّما بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام ۱۶؎

بے شک اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔

لعنت الخمر و شاربها، وساقيها و بائعها، ومبتاعها، و حاملها، والمحمولة إليه، وعاصرها ومعتصرها، وآكل ثمنها ۱۷؎

شراب پر، اس کے پینے اور پلانے والے پر، خریدنے اور بیچنے والے پر، اسے اُٹھانے والے پر اور جس کے پاس اسے لے جایا جائے، اسے نکالنے والے پر اور اس پر جو نکلوائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

شریعت سے جن اشیاء کی حرمت ثابت ہے، اسلامی ریاست میں ان پر ٹیکس عائد کرنا جائز نہیں۔ مثلاً اسلامی ریاست میں سینما ہاوس کی اجازت نہیں اور ان پر عائد

ٹیکس بھی نا جائز ہے۔بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ جن مما لک میں حرام اشیاء کی تجارت ہوتی ہے وہاں تو خرید وفروخت اور کاروبار کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اور ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے۔لیکن اسلام محض مادی ترقی کا قائل نہیں ۔شراب ،سینما گھروں اور کلچرل شو کے انعقاد سے محض چند لوگوں کی آمدنیوں میں تو اضافہ ہو جائے گا،لیکن اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے معاشرتی بے راہ روی بھی پھیلتی ہے۔اس وجہ سے تمام حرام اشیاء کی خرید وفروخت سے متعلق سرگرمیوں اور ان پر محاصل کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی طرح مالی وسائل کی کمی عالمی اداروں سے ربا (سود) پر مبنی قرضوں اور ملکی سطح پر سود پر مبنی بچت سکیموں کے ذریعے نہیں پوری کی جاسکتی اور نہ ملکی صنعت کاروں، تاجروں، کاشت کاروں اور افراد کو نجی ضروریات کے لیے قرضے سود پر فراہم کیے جاسکتے ہیں۔کوئی بھی مالی معاملہ، جس میں سود کے ذریعے مال اکٹھا کیا جائے، جائز نہیں ہوگا، کیونکہ شریعت میں سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔اسے نہ چھوڑنے والوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرۃ:۲۷۸۔۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان دار ہو۔اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ہاں اگر توبہ کرلو تو تمھارا اصل مال تمھارا ہی ہے، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ درست ہے کہ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قرض لیا جاتا ہے، لیکن ایسے قرضے، جن کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑے، اسلام کی معاشی تعلیمات میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔سود کی حرمت کی سب سے بڑی حکمت انسانیت کو اس کے استحصال

سے بچانا ہے۔عالمی سطح پر سودی قرضے لینے کی بجائے دیگر ممالک کے ساتھ تجارت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ملکی سطح پر عطایا اور اوقاف وصول کرنے کے علاوہ انھیں دیگر ممالک سے بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔اسلامی ریاست بین الاقوامی اداروں یا خیر خواہ ممالک سے مالی امداد بھی قبول کرسکتی ہے۔ اسی طرح وہ دوسرے ممالک کے مسلمان یا خیر خواہ غیر مسلم شہریوں کے عطیے بھی قبول کرسکتی ہے۔ جب تک اس طرح کی مالی امداد کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو کوئی نقصان نہیں پہنچے، ایسے عطیے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شریعت میں اس کے خلاف کوئی ہدایت نہیں ملتی۔۱۸؎

۴۔ عدل

اسلام کے نظامِ محاصل کا ایک اہم اصول عدل ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب متعین کرنے میں بھی یہ اصول کارفرما رہا ہے۔اس کے تحت بہ قدر نصاب مال پر ہی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، اس سے کم پر نہیں۔اس بارے میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

> ''زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے، خواہ اس کا رنگ، نسب، قومیت اور جنس کچھ ہو اور خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم۔ثانیاً اسلام نے عدل کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے مال کی قلیل مقدار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردیا اور اس مال پر زکوٰۃ فرض کی جو بہ قدر نصاب ہو۔ثالثاً ایک سال میں ایک ہی مال میں دوبار صدقہ وصول کرنے کی ممانعت کی''۔۱۹؎

اسلام کے نظامِ عشر میں بھی اصولِ عدل کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصریح کے مطابق جس زمین کی آب پاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو، اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کو پانی کھینچ کر یعنی کھود کر آب پاشی کی گئی ہو، اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔۲۰؎ ڈاکٹر یوسف القرضاوی بیان کرتے ہیں:

> ''محنت کے تفاوت کے پیش نظر اسلام نے مقدارِ واجب کی تعیین میں فرق

کیا۔اس کی واضح ترین مثال عشر اور نصفِ عشر کا وجوب ہے۔ وہ زمین جو
بہ ذریعہ آلات سیراب ہو، اس پر پانچ (۵) فی صد عشر ہے"۔۲۱؎

خراج کی وصولی میں بھی اصولِ عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقاسمۂ پیداوار کے لیے خیبر جاتے تھے اور وہاں کی پیداوار کا اندازہ لگاتے تھے۔ جب اہل خیبر ان سے شکایت کرتے کہ آپ نے ظلم کیا ہے تو وہ کہتے: تم اندازے کا نفع ہمیں دو یا تم لو، دونوں میں سے جو مقدار چاہو، ہمیں دو۔ اس پر یہودی کہتے: اس عدل پر آسمان و زمین برقرار ہیں۔ ۲۲؎

یہ اسلام کا عدل ہی ہے کہ زمین سے اس کی پیداوار کے مطابق ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ خراجی زمینوں کے ساتھ بھی ہوگا۔ الکاسانیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ "اگر خراجی زمین سیم زدہ ہو، اس میں اتنا پانی آ گیا ہو کہ اس میں کاشت نہ ہوسکتی ہو یا وہ دلدلی ہو اور اس تک پانی نہ پہنچتا ہو، تو اس میں خراج واجب نہیں۔ اس لیے کہ حقیقی طور پر پیداوار نہ پائی گی"۔۲۳؎

اسلام کے نظام جزیہ میں بھی یہ اصول ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جزیہ صرف مردوں پر عائد کیا گیا ہے اور ان میں بھی صرف ان لوگوں پر جو صاحبِ استطاعت ہوں۔ اپاہج، مفلس اور غرباء وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج یا مفلس ہو جائے گا تو اسے نہ صرف جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا، بلکہ بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے گی۔ ابو عبید القاسمؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک بوڑھے کے پاس سے گزرے جو بھیک مانگ رہا تھا، آپ نے اس کی تنگ دستی کے پیش نظر بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کر دیا۔ ۲۴؎

اسلامی تعلیمات کی رو سے ظلم و زیادتی کرکے محاصل وصول کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"انّ اللہ عزّ و جلّ یعذّب الّذین یعذّبون النّاس في الدّنیا"۲۵؎

(بیشک اللہ عزوجل ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے۔)

خلفاء راشدین نے جزیہ وخراج کی وصولی میں سختی اور ظلم پر عاملوں کی سرزنش کی۔ حضرت عمرؓ شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ انھوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا ہے، اس لیے ان کو یہ سزا دی جا رہی ہے۔ دریافت کیا کہ جزیہ ادا کرنے میں ان کا کیا عذر ہے؟ جواب ملا: مفلسی اور ناداری۔ تب انھوں نے اپنے عاملوں کو تنبیہ کی اور اس صورت میں سزا دینے سے منع فرمایا۔۲۶؎

جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس بہت سا مال آیا تو انھوں نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ تم نے لوگوں پر بے جا بوجھ ڈال کر انہیں تباہ کر دیا ہوگا۔ عاملین نے کہا: نہیں اللہ کی قسم، ہم نے سہولت اور خوش دلی کے ساتھ لوگوں سے یہ مال وصول کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا بغیر کوڑے لگائے اور اور بغیر لٹکائے (یعنی بغیر سختی کیے)؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے اور میرے دورِ حکومت کو رعایا پر مظالم وتشدد سے محفوظ رکھا''۔۲۷؎

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی اپنی غیر مسلم اقلیتوں سے جزیہ کی وصولی کے معاملے میں اپنے عمّال پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور انہیں وقتاً فوقتاً ہدایات بھی دیا کرتے تھے، تاکہ وہ جزیہ وخراج کی وصولی میں سختی سے کام نہ لیں اور ان پر معاشی بار نہ ڈالیں۔ حضرت علیؓ نے آذربائیجان کے عامل قیس بن سعد بن عبادہ کو لکھا کہ خراج کو حق کے ساتھ وصول کرو۔ ۲۸؎ حضرت علیؓ نے ایک دفعہ قبیلۂ بنی ثقیف کے ایک شخص کو ایک علاقہ عکبری کی طرف خراج کی وصولی کے لیے روانہ کرنے کا قصد کیا۔ اس موقع پر اس کو خصوصی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: جب تم ان لوگوں میں پہنچو تو ان کے گرمی یا سردی کے لباس، ان کی خوراک اور وہ جانور، جن سے وہ باربرداری کا کام لیتے ہیں، ان کو ہرگز نہ بیچنا، مال کی فراہمی کے سلسلے میں کسی شخص کو دُرے نہ لگانا، طلبِ درہم

کے سلسلے میں کسی شخص کو مسلط نہ کرنا اور خراج کی وصولی کے لیے ان کے کسی سامان کو فروخت نہ کرنا۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی زائد چیزوں میں سے وصول کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے ان ہدایات کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ کرے گا اور میں تمھیں عہدے سے معزول کر دوں گا۔ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: تب تو میں جیسے جا رہا ہوں ویسے ہی لوٹ آؤں گا، یعنی مجھے لگتا ہے کہ کچھ وصول نہ ہوگا۔ انھوں نے فرمایا: ''اگرچہ تو خالی ہاتھ ہی لوٹ آئے، مگر تجھے ان ہدایات پر عمل کرنا ہوگا''۔ چنانچہ عامل نے جا کر ان کی ہدایت پر عمل کیا اور پورا پورا خراج وصول کیا۔ ۲۹؎

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے عبدالحمید کے نام ایک خط میں لکھا کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل کوفہ کو نااہل و بدکردار عاملین کی بدنظمی نیز غلط اور گندے قوانین کی تنفیذ کے باعث ظلم و جور سے گزرنا پڑا ہے، حالاں کہ دین کا سب سے بنیادی اصول عدل و احسان ہے۔ زمین کی پیمائش کرو اور اس کی پیداوار کا اندازہ لگاو۔ بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ غیر آباد زمین سے اتنا ہی لو جتنے کی وہ متحمل ہو۔ اسی طرح آباد زمین سے صرف مقررہ خراج لو۔ اور یہ سب کچھ نرمی سے اور زمین کے مالکوں کی آبادکاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہونا چاہیے۔ ۳۰؎ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نومسلموں سے جزیہ لینے سے منع فرمایا۔ جب والیٔ مصر حیان بن شریح نے شکایت کی کہ غیر مسلم رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہو رہی ہے، اس سے جزیہ کی آمدنی کم ہو رہی ہے۔ اس پر انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا گیا ہے، نہ کہ محصول اکٹھا کرنے والا بنا کر''۔ ۳۱؎

اصولِ عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ غیر ضروری ٹیکس ختم کر دیے جائیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والی بنائے گئے تو انھوں نے ہر مقام کی چنگی اور ہر نومسلم کا جزیہ منسوخ کر دیا۔ ۳۲؎

۵۔ سہولت

اسلام کے نظامِ محاصل کا ایک اصول سہولت ہے۔ الجزیریؒ لکھتے ہیں کہ

''اصولِ سہولت کے تحت وجوبِ زکوٰۃ کے لیے ایک شرط صاحبِ مال کا آزاد ہونا ہے۔ لہٰذا غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ قرض واجب الادا اس کے ذمہ نہ ہو۔ ۳۳؎ زکوٰۃ اور عشر کے نصاب میں بھی اصولِ سہولت کارفرما ہے۔ اسلام میں نصابِ زکوۃ اعتدال پر مبنی ہے۔ اس کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ ''نہ تو زکوٰۃ کی اتنی کم مقدار عائد کی گئی ہے کہ ادا کرنے کا احساس نہ ہو اور نہ اتنی زیادہ کہ ادا کرنا پہاڑ محسوس ہو۔ اور اس کی ادائیگی کا درمیانی وقفہ نہ اتنا زیادہ رکھا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے ادائی زکوٰۃ کے اصل مقصد میں خلل واقع ہو اور نہ اتنا کم کہ ادا کرنا بوجھ محسوس ہو۔ زکوٰۃ دہندہ اور وصول کنندہ کے لیے یہ آسانی کی گئی ہے کہ ہر ایک جنس کی زکوٰۃ اسی کا کچھ حصہ ہو، مثلاً اونٹوں کے گلہ میں سے ایک اونٹنی لی جائے اور گائے بیل یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سے وہی جنس یعنی گائے یا بکری وصول کی جائے۔ ۳۴؎

اصولِ سہولت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔ ۳۵؎ حضرت علیؓ نے جزیہ کی وصولی میں سہولت اور نرمی کو مدنظر رکھا۔ عنترہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہر کاری گر سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ سوئی والے سے سوئیاں لیتے، سان والے سے سان، رسی والے سے رسی۔ حضرت عمرؓ کا طریقۂ کار بھی یہی تھا۔ چنانچہ وہ جزیہ میں اونٹ لے لیا کرتے تھے۔ اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس بہ کثرت مویشی بہ طور جزیہ کے آتے تھے۔ ۳۶؎

عشر کی وصولی میں بھی سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کھیتی کے نکلنے اور پھلوں کے ظاہر ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پکنے کے وقت واجب ہوتا ہے، امام محمدؒ کے نزدیک فصل صاف کرنے اور پھل توڑنے کے وقت واجب ہوتا ہے۔ ۳۷؎ یہی اصول خراج کی وصولی میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر بن خذیمؓ پر خراج کی رقم بیت المال میں داخل کرنے میں دیر کرنے پر باز پرس کی تو ان نے جواب دیا: فصلیں کٹنے تک اہل ذمہ کو مہلت دی گئی تھی، اس وجہ سے تاخیر ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب تک میں زندہ رہا تمھیں اس عہدے سے معزول نہیں

کروں گا۔ ۳۸ ؎

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جزیہ کی وصولی کا کوئی منظم طریقہ تھا نہ اس کی مقدار مقرر تھی اور نہ کسی جنس کا تعین کیا گیا تھا۔ البتہ علامہ بلاذریؒ نے جزیہ کی تین نوعیتوں کا ذکر کیا ہے۔ تبوک، ایلہ، اذرح، مقنا اور جرباء کے لوگوں کے جزیہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ کبھی ان سے دینار کی صورت میں جزیہ لیا گیا، کبھی زیورات، لکڑیوں اور کھیتیوں پر اور کبھی کھجور کی پیداوار کی ایک چوتھائی مقدار کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا گیا۔ ۳۹ ؎

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو جزیہ کے سلسلے میں ان سے فرمایا:

أن ياخذ من كلّ حالم يعني محتلما، دينارا أوعدله من المعافري ثياب تكون باليمن ۴۰ ؎

ان کے باشندوں سے بہ طور جزیہ ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کریں یا اس کے برابر اس شخص سے معافری کپڑا لیں، جو یمن میں ہوتا ہے۔

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں غیر مسلم اقلیتوں پر جزیہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی، بلکہ یہ ان کے حالات اور معاشی وسائل پر منحصر تھا کہ جس قدر جزیہ آسانی سے ادا کر سکیں، ادا کر دیا کریں۔

حضرت عمرؓ نے دولت مندوں پر سالانہ اڑتالیس درہم، متوسط پر سالانہ چوبیس درہم اور غریب پر سالانہ بارہ درہم مقرر کیے اور فرمایا کہ ایک درہم ماہانہ لیا جائے، تاکہ ان میں سے کسی کو بھی ادائیگی میں دشواری نہ ہو۔ ۴۱ ؎

غیر یقینی حالات میں عوام پر ٹیکس کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا۔ عام الرماد (قحط سالی) میں حضرت عمرؓ نے صدقہ (زکوۃ) کو موخر کر دیا۔ ۴۲ ؎ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں لوگوں پر ان کی حیثیت کے مطابق ٹیکس عائد کیا گیا۔ کسی شخص پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا گیا اور جو لوگ ادا کرنے سے قاصر تھے، ان کو رعایت دی گئی۔

۶۔ امانت و دیانت

محاصل جمع کرنے میں ایک اہم اصول امانت و دیانت ہے۔ عامل کا تنخواہ

کے علاوہ کچھ اور لینا اسلامی شریعت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے اور رشوت کے لین دین سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ:۱۸۸)

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔ نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالاں کہ تم جانتے ہو۔

اس آیت میں مال کو حکام رَسی کا ذریعہ بنانے سے روکا گیا ہے۔ اس میں ایک فریق دوسرے فریق کا مال ناجائز طریقے سے ہتھیا لیتا ہے۔ رشوت گناہ، حق تلفی اور غصبِ حقوق کا راستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعدد فرامین میں عمال کے لیے ہدیہ لینے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ آپؐ نے قبیلۂ ازد کے ایک شخص ابن اللّتبیۃ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپؐ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے۔ یہ بات سن کر آپؐ جلال میں آ گئے۔ آپؐ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:

فوالذي نفس محمد بيده لا يغلّ أحدكم منها شيئًا الا جاءبه يوم االقيامة يحمله على عنقه، ان كان بعيرًا جاءبه له رغاءٌ، و ان كانت بقرة جاء بها لها خوار، و ان كانت شاة جاء بها تيعر، فقد بلّغت ۴۳ ؎

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے۔ اگر کوئی تم میں سے ایسا مال لے گا تو قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔ اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہوگا تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو چلا رہی ہوگئ، بکری ہوگی تو ممیا رہی ہوگی۔ پھر فرمایا: اے اللہ! میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا دیا۔

خیانت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ مشاہرہ کے علاوہ دیگر ہدایا قبول کرنے یا رشوت لینے کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔ خیانت کے مال کے بارے میں آخرت میں باز پرس کی جائے گی اور یہ عذاب کا موجب بنے گا۔

رشوت کے بارے میں ایک حدیث میں ہے:

لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي في الحكم ۴۴	رسول اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت لینے اور دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

۷۔ کفایت

اسلام کے نظامِ محاصل کی روح کفایت ہے۔ عصر حاضر میں ٹیکس وصول کرنے والے عہدے داروں کو بھاری تن خواہیں اور سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ٹیکس کا نظام بھی پیچیدہ ہے ۔مختلف مراحل سے گزرنے کی وجہ سے حکومت کو کثیر اخراجات کرنے پڑتے ہیں، جب کہ اسلام کا نظامِ محاصل اصولِ کفایت سے روشناس کراتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف زکوۃ جمع کرنے والوں کے لیے ہے۔اس طرح عاملین کو زکوۃ فنڈ سے ہی حصّہ مل جاتا ہے اور اس کا بوجھ بیت المال پر نہیں پڑتا۔ٹیکس وصولی کے اخراجات جتنے کم ہوں گے اتنا ہی ٹیکسوں کے مقاصد زیادہ سہل الحصول ہوں گے۔ ۴۵

سرکاری خزانہ کو ٹیکس کی وصولی پر بے جا خرچ کرنا مناسب نہیں ۔ ملازمین کو ادا کی جانے والی بھاری تن خواہیں اور دفاتر میں غیر ضروری سہولتوں کی فراہمی پر کیے جانے والے اخراجات اسی زمرہ میں آتے ہیں ۔سرکاری خزانہ عوام کی امانت ہوتا ہے، اس لیے اسے ان کی فلاح وبہبود پر ہی خرچ ہونا چاہیے۔

سرکاری خزانہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ایک روشن مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ عمل ہے۔ انھوں نے بیت المال سے ضروریاتِ زندگی کے مطابق نفقہ لیا اور وفات کے وقت وصیت کی کہ ان کو نئی چادروں میں کفن دینے کے بجائے دھلی ہوئی پرانی چادروں کا کفن دیا جائے، کیوں کہ عوام نئی اشیاء کے زیادہ حق دار ہیں۔ ۴۶

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۴۰۰؛سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب وجوبھا، ۱۵۵۶؛ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۲۴۴۵

۲۔ یوسف القرضاوی، فقہ الزکاۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت (لبنان)، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ئ،طبع پنجم، ۲/ ۱۰۰۴

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، ۱۴۰۲

۴۔ حوالہ سابق، ۱۴۰۳

۵۔ حوالہ سابق، باب وجوب الزکاۃ، ۱۳۹۶

۶۔ حوالہ سابق، کتاب الادب، باب طیب الکلام، ۶۰۲۳؛ کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، ۶۵۴۰؛ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ، ۲۳۵۰؛سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب القلیل فی الصدقۃ، ۲۵۵۳۔

۷۔ جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، ۲۶۱۶

۸۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو، أبو الفدائ، عمادالدین ،تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر، دارالسلام، الریاض، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ئ،طبع دوم، ۷۶۳/۱؛ وھبۃ الزحیلی، التفسیرالوسیط، دارالفکرالمعاصر، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ئ، ۳۱۰/۱

۹۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من غلول، ۲۵۲۵

۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا، ۲۳۴۲؛ جامع ترمذی، ابواب الزکاۃ، باب ما جاء فی فضل الصدقۃ، ۶۶۱؛ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب، ۱۴۱۰

۱۱۔ ابن سعد، محمد بن سعد الزھری، الطبقات الکبری المعروف بہ طبقات ابن سعد، داربیروت، بیروت (لبنان)، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ئ، ۳۸۰/۵

۱۲۔ ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الأموال، دارالفکر، قاہرہ (مصر)، س۔ن، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ئ، ص ۵۲